اشفاق احمد کا افسانہ اور مابعد الطبیعیات

ڈاکٹر فریحہ نگہت☆

Abstract

Ashfaq Ahmad was a renowned and prominent Urdu short story writer. His short stories reflect multi facets of metaphysical elements. Short stories of Ashfaq Ahmad reveal his command over use of various metaphysical elements through spirituality romanticism, mysticism, Islamic mythology and other religious rituals. In this article an endeavour has been made to highlight various dimensions of metaphysical elements in his selective short stories.

اشفاق احمد اردو افسانہ نگاروں میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں ۔تصوف اور عشق، رومانی وباطنی حوالوں سے ان کے افسانوں میں پوری توانائی کے ساتھ سامنے آیا ہے۔ان کا مخصوص متصوفانہ رنگ ان کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی عناصر پیدا کرتا ہے۔ ان کے افسانوں میں تصوف کا عمیق تجربہ اور مذہب کے الوہی پہلوؤں کی جھلکیاں واضح طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے افسانوں کا یہ متصوفانہ رنگ جو بعد کی دہائیوں میں زیادہ واضح نظر آتا ہے پچاس کی دہائی میں اس کے ابتدائی نقوش ملنے لگے تھے۔ان کے ہاں محبت رومانی اور جذباتی سطحوں سے بڑھ کر روحانی سطحوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔اشفاق احمد کے افسانوں میں تصوف کا وہ رچاؤ نظر آتا ہے جو ہماری قدیم روایت کی خصوصی عطا ہے۔ان کا تصوف کی جانب یہ میلان ان کے افسانوں میں پاکیزگی اور خیر کی فضا بندی کرتا ہے۔

☆ پرنسپل گورنمنٹ کالج برائے خواتین ڈھوک الٰہی بخش، راولپنڈی

اشفاق احمد کے ابتدائی دور کے افسانوں میں رومانوی، نفسیاتی اور جنسی تجربات افسانوں کا موضوع بنے مگر پھر بتدریج مزاج اور موضوعات میں تبدیلی رونما ہوئی اور ان کا افسانہ تصوف کی وہ منازل طے کر گیا جو ان کی فنی پختگی کی غمازی کرتا ہے۔ رومانوی و باطنی کیفیات کے حوالے سے انہیں امور روحانیہ سے خاص نسبت رہی ہے اسی مناسبت سے ان کے افسانوں میں اکثر و بیشتر روحانی عملیات، کالے علوم، نورانی علم، دم تعویذ دھاگوں، وظیفوں، چلوں اور مراقبوں سے جڑے واقعات دکھائی دیتے ہیں۔ پیر و مرشد کا ذکر نہ صرف ان کے افسانوں میں ملتا ہے بلکہ ان کی عملی زندگی میں بھی اسے خاص اہمیت حاصل ہے۔ مذہب و تصوف، کشف و کرامات اور مابعد الطبیعیاتی فکر ان کے افسانوں کا خاص موضوع بنتی ہے۔ جمیل احمد عدیل، مابعد الطبیعیات سے ان کی دلچسپی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بیان، اسلوب، متصوفانہ، مضامین واصطلاحات پر انہیں کتنی قدرت و ملکت اور مابعد الطبیعیات کی جملہ مبادیات پر ان کی نگاہ کتنی عمیق ہے۔''(۱)

اشفاق احمد نے متصوفانہ موضوعات پر اس قدر افسانے لکھے ہیں کہ وہ اپنے اس مخصوص رنگ سے پہچانے جاتے ہیں۔ انہوں نے روحانی امور پر بڑے فن کارانہ انداز میں لکھا ہے اور پھر بتدریج اپنے روحانی تجربوں کو بڑی وضاحت و صراحت، اختصار و تسلسل کے ساتھ بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں: ''اشفاق احمد کے افسانوں کا موضوع خاص جذباتی سطح پر انسان کی قلب ماہیت ہے... جب کہ لوک دانش کا حوالہ اور تصوف کی جانب میلان اشفاق احمد کے ہاں پاکیزگی اور خیر کی فضا بندی کرتا ہے۔''(۲) ڈاکٹر انور سدید کے مطابق: ''اشفاق احمد کے افسانے بظاہر محبت کے مرکزی نقطے پر گردش کرتے ہیں۔ تاہم ان کے موضوعات متنوع ہیں اور وہ محبت کی قندیل سے زندگی کے بے شمار گوشوں کو منور کرتے چلے جاتے ہیں''۔(۳)

اشفاق احمد اپنے افسانوں کا تار و پود محبت اور اس کے الوہی پہلوؤں سے بنتے ہیں۔ ان کے ہاں سچی محبت کا احساس ملتا ہے۔ یہ سچی محبت ماں، بیٹے، دادا، پوتے، آقاؤں اور غلاموں کی صورت میں بھی دکھائی دیتی ہے اور بعد ازاں یہی جذبہ فروغ پا کر عشق حقیقی اور عشق الٰہی کا روپ بھی دھار

لیتا ہے۔ یہ سچی محبت کا جذبہ ہی ان کے متصوفانہ خیالات کی ترویج کا باعث بنتا ہے، صوفیانہ رنگ ان کے افسانوں کو ایک نئی نہج ایک نئی جہت عطا کرتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کے مطابق: ''اشفاق احمد کا مرکزی موضوع محبت ہے ...... اشفاق احمد ایک متصوفانہ رویہ روبہ عمل لانے کی کوشش کرتا ہے''۔(۴) اور ڈاکٹر انوار احمد کے خیال میں: ''محبت اور انسانیت سے ان کا والہانہ لگاؤ بھی انہیں صوفیوں سے محبت کا اہل بناتا ہے''۔(۵) بزرگانِ دین، صوفیاء اور پیروں کے اذکار، احوال و اقوال ان کی تحریروں میں جابجا ملتے ہیں۔ وہ اپنی ایک تصنیف 'سفر در سفر' میں خواجہ صاحب کی کرامات کا ذکر کرتے ہوئے اپنا ہمزاد سامنے لا کھڑا کرنے کا احوال اس طرح سناتے ہیں:

> خواجہ نے کچھ کہے بغیر مجھے کندھوں سے پکڑا... پھر اس نے میری ٹھوڑی کے نیچے اپنا ہاتھ رکھ کر میرا سر اوپر اٹھایا اور میں نے چمکتی دھوپ میں اپنے عین سامنے آٹھ دس فٹ کے فاصلے پر دیکھا۔ وہاں میں کھڑا تھا، وہی کپڑے وہی کھڑے ہونے کا انداز وہی چہرہ، ویسے ہی بال، میں وہاں کھڑا مسکرا رہا تھا اور میں یہاں کھڑا خوف سے کانپ رہا تھا... (۶)

اشفاق احمد کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی عناصر کا رنگ بہت واضح ہے۔ افسانہ 'گڈریا' میں انسان دوستی کے پس منظر میں بھگتی تحریک اور تصوف کا ہزاروں سالہ سفر جھلکتا نظر آتا ہے۔ 'گڈریا' میں داؤ جی مذہباً ہندو ہے لیکن اسلامی تہذیب و ثقافت سے اس کی دلچسپی و وابستگی والہانہ ہے۔ 'داؤ جی' کا کردار انسان دوستی کی علامت ہے۔ یہ کردار اسلام کی حقیقی روح کے حوالے سے بھی ایک استعارہ ہے۔ 'داؤ جی' کے تمام تر اعمال و افعال اسلام کے بشری پہلوؤں کے مطابق ہیں مگر وہ اسلام کے الوہی پہلوؤں کا منکر ہے۔ دوسری جانب وہ ان لوگوں کی بات بھی کرتے ہیں جو الوہی پہلوؤں پر تو ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کے اعمال انسانیت کی نفی کرتے نظر آتے ہیں۔ اس افسانے میں ناسٹلجیا ایک مجموعی تاریخ کے طور پر دکھائی دیتا ہے۔ باقی تمام فکری زاویے بھی اسی ناسٹلجیا کا حصہ بن کر ابھرتے ہیں۔ 'گڈریا' میں روحانیات اور اس سے متعلقہ مباحث ملتے ہیں۔ مثلاً 'گڈریا' میں ایک ایسی جگہ جو قبرستان کے قریب

واقع ہے سے گزرتے وقت روحیں تنگ کرتی ہیں۔ داؤجی کچھ آیات پڑھتے ہوئے گزرتے ہیں۔ داؤ جی اسم اعظم کا ورد کرتے ہوئے جن پر قابض ہونا چاہتے تھے مگر شاید خود اس کے زیر اثر آ گئے تھے۔

"قبرستان گزر گیا مگر داؤجی تھے کہ کچھ آیتیں سی پڑھتے چلے جا رہے تھے جب تھیہ پہنچے تو میری روح فنا ہوگئی۔ یہاں سے لوگ دوپہر کے وقت بھی نہ گزرتے تھے۔ کیونکہ مرنے والوں کی روحیں اس ٹیلے پر رہتی تھیں اور آنے جانے والوں کا کلیجہ چبا جاتی تھیں۔ میں خوف سے کانپنے لگا... وہ اونچے اونچے اپنا محبوب شعر گا رہے تھے۔

جفا کم کن فردا روز محشر — بہ پیش عاشقاں شرمندہ باشی

کبھی دونوں ہتھیلیاں زور سے زمین پر مارتے اور سر اوپر اٹھا کر انگشت شہادت فضا میں یوں ہلاتے جیسے کوئی ان کے سامنے کھڑا ہو... داؤجی ضرور اسم اعظم جانتے تھے اور وہ جن قابو کر رہے تھے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے ایک جن ان کے سامنے کھڑا دیکھا۔ بالکل الف لیلہ والا با تصویر جن جب داؤجی کا طلسم ان پر نہ چل سکا تو اس نے انہیں نیچے گرا لیا۔ جفا کم کن جفا کم کن وہ چھوڑتا نہیں تھا۔"(۷)

'بیا جاناں' میں ان کے متصوفانہ خیالات کھل کر سامنے آئے ہیں۔تصوف کی روحانی کیفیات یعنی مراقبہ و مکاشفہ، استغراق اور وجد کے متعلق ایسی معلومات اس افسانے میں ملتی ہیں کہ مصنف کا تجربہ قاری کا تجربہ بن جاتا ہے۔اشفاق احمد کی جو صوفیانہ روش اپنی زندگی میں رہی اس کی نمایاں جھلکیاں اس افسانے میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اشفاق احمد اپنی زندگی میں بھی قدرت اللہ شہاب کے تتبع میں تصوف کی ان کٹھن راہوں پر گامزن دکھائی دیتے ہیں جس کے ان کے فن پر گہرے اثرات ہیں۔ سچے ولی، اولیا اور بزرگان کی تلاش نے ہمیشہ اشفاق احمد کو سرگرداں رکھا۔

'بیا جاناں' کا موضوع بھی اگرچہ نام نہاد پیروں، سادھوؤں، درویشوں، صوفیوں اور

گیانیوں کی شناخت ہے مگر اس کے عقب میں وہ ان متصوفانہ وارداتوں کو بھی مفصل بیان کرتے ہیں جن کی بدولت انسان من وتو کے تفاوت سے مبرا ہو جاتا ہے اور اپنی ذات کو اس ہستی میں گم کر دیتا ہے۔ تصوف کی وارداتوں کے ساتھ نروان کے لمحات کا ذکر بھی 'بیا جاناں' میں تفصیل سے ملتا ہے۔ 'بیا جاناں' میں تصوف کی وارداتیں اور روحانی و باطنی کیفیات انتہائی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً طالب جب سفارشی رقعہ حاصل کرنے کی غرض سے حنیف کے گھر پہنچا تو گھر کا ماحول یکسر تبدیل ہو چکا تھا۔ طالب نے دروازہ کھٹکھٹایا سامنے ایک سادھو کھڑا تھا۔ جونہی طالب اندر گیا تو اندر کا منظر ہی کچھ اور تھا۔

> کوٹھڑی میں حنیف، ایک اور نوجوان اور سادھو آلتی پالتی مارے بیٹھے تھے... طالب کو دیکھ کر حنیف نے اللہ ہو کا نعرہ مارا اور اٹھ کر ناچنے لگا... سادھو آنکھیں موندے... کوٹھڑی میں پاگلوں کی طرح دوڑنے لگا... پھر اس نے اپنا گریبان چاک کر ڈالا اور اپنے چہرے کو طمانچوں سے لال کر دیا۔(۸)

طالب، حنیف، سادھو اور گیانی کو بڑے انہماک سے دیکھتا ہے اور ان کے اسرار کو پانے کی اپنی سی کوشش کرتا ہے مگر سمجھ نہیں پاتا۔ اشفاق احمد نے تصوف کی واردات کو افسانے کی دلکشی کے ساتھ ملا کر ایک منفرد افسانہ تخلیق کیا ہے۔ ڈاکٹر انوار احمد کے خیال میں: ''اشفاق احمد کا افسانہ'بیا جاناں' اس متصوفانہ واردات کو لیے ہوئے ہے جسے بعد میں اشفاق احمد نے اپنے ٹی وی ڈراموں کے ذریعے اجاگر کیا۔''(۹)

'حقیقت نیوش' تصوف کی جانب میلان پاکیزگی اور خیر کی فضا بندی کرتا ہے۔ لوک دانش کی جستجو اور تصوف کا رچاؤ جو ہماری قدیم روایت کی خصوصی عطا ہے اس افسانے میں نظر آتا ہے۔ 'حقیقت نیوش' میں روح کے جسم سے پرواز کر جانے اور پھر کسی اور شے میں حلول کر جانے کے مباحث چھیڑے گئے ہیں۔ روح کیا ہے؟ جسم اور روح کا کیا تعلق ہے؟ یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے۔ انسان کی روح جب اس کے جسم سے پرواز کرتی ہے تو ہوا کے جھونکوں میں تحلیل ہو کر نجانے کس سفر اور کس منزل کی جانب رواں

رواں ہوجاتی ہے۔'حقیقت نیوش' میں ایک بوڑھا شخص بچیوں کو اپنے دوست جمیل کی کہانی سناتا ہے۔وہ اور اس کا دوست زمانہ طالب علمی میں درختوں پر چڑھ کر پرندوں کے گھونسلوں کو اجاڑ کر ان کے انڈے سرکوں میں بھگو کر گیندوں کی طرح لچک دار بنا کر بوتلوں میں ڈال دیا کرتے، برف کا ٹھنڈا پانی ڈالنے سے وہ انڈے پھر اپنی اصلی حالت میں آجاتے اور لوگ حیران ہوجاتے کہ یہ انڈے اس بوتل میں کیوں کر گئے تھے۔پھر جمیل نے گھونسلوں سے انڈے اکٹھے کرنے ترک کردیئے کیونکہ وہ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہوگیا تھا۔

> مجھے ڈر لگتا ہے کہ کسی دن کوئی انڈا بوتل میں ہی نہ چیخ جائے اور اس میں سے چڑیا کا ایک ننھا سا بچہ نہ نکل آئے... جمیل نے پریشان ہوکر کہا۔'لیکن وہ بچہ بڑا کیسے ہوگا، اس کو چوگا کون دے گا اور پھر وہ اس بوتل میں سے نکلے گا کیسے؟'... یوں بھی ہوسکتا ہے کہ ہم کوئی بوتل کہیں رکھ کر بھول جائیں۔انڈے سے بچہ نکلے اور پھر تڑپ تڑپ کر بوتل ہی میں مر جائے... 'فکر مت کرو۔اول تو ہم بھولتے نہیں اور اگر بھول بھی گئے تو وہ بچہ چیوں چیوں کرکے ہمیں خود بلائے گا۔'لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی اور اس نے درختوں پر چڑھنا اور گھونسلے نوچنا چھوڑ دیا۔(۱۰)

جمیل کی کہانی سنانے کے بعد بوڑھے نے کہا کہ اب مجھے علم نہیں کہ جمیل کہاں ہے یوں لگتا ہے جیسے وہ کہیں، کسی بوتل میں، چیوں چیوں کر رہا ہے اور بوتل اس پر تنگ ہورہی ہے۔افسانے کا اختتام دائروی تکنیک کے تحت اسی طرح ہوتا ہے جس طرح آغاز ہوا تھا۔نیاز فتح پوری، اشفاق احمد کے اس افسانے کو ماورائی اور رومانی افسانہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

> 'حقیقت نیوش' اور 'مہمان بہار' جوان کی کامیاب ترین کہانیاں کہی جاسکتی ہیں بڑی حد تک ماورائی اور رومانوی ہیں۔'حقیقت نیوش' میں ایک بوڑھا سر درات کو نیم تاریک کمرے میں اپنے تخیلی بچوں کو ابتدائی رومانوں کی داستان سنارہا ہے''۔(۱۱)

یہ افسانہ منفرد موضوع کا حامل ہے جس میں روح اور حیات وممات جیسے مابعد الطبیعیاتی سوالات تک پہنچنے کی مساعی ملتی ہے۔ افسانے کا بوڑھا بابا بچیوں کو اپنی سرگزشت سناتا ہے۔ دراصل وہ خود ہی جمیل ہے اور اب یہ دنیا اور زندگی اس پر تنگ ہو رہی ہے اور چیوں چیوں کی آوازیں اسے بے قرار کیے ہوئے ہیں۔

'مانوس اجنبی' حقیقت اور خیال پر مبنی افسانہ ہے۔ یہ خیالات محبت میں پیش آنے والی قلبی وارداتوں کا بیان ہیں۔ سچی محبت میں پیش آنے والی باطنی وروحانی کیفیات واحد متکلم کو اپنی گرفت میں لیے رکھتی ہیں۔ عفت افضل اس افسانے کو متصوفانہ رنگ کا حامل افسانہ قرار دیتی ہیں: ''اشفاق احمد... کے افسانوں میں تصوف کا رنگ 'مانوس اجنبی' میں... نظر آتا ہے''۔ افسانے کا مرکزی کردار خواب و خیال میں 'اختل' سے ملتا ہے اس سے بات چیت کرتا ہے اور اس کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ وہ اسے اندھیرے ہی میں نظر آتی ہے اور پھر اندھیرے ہی میں گم ہو جاتی ہے۔

اختل کا کردار حقیقت تھا یا تخیل یا پھر راوی کے اپنے ذہن کی پیداوار وہ شادی میں تو اسی طرح موجود تھی مگر پھر وہ کون تھی جو بجلی جانے کے دوران راوی کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی۔ کیا وہ اختل کی ہمزاد تھی، راوی کا تخیل تھا یا پھر حقیقت میں خود اختل تھی یہ تمام قیاسات قاری کے ذہن میں ابھرتے ہیں۔ انہی روحانی کیفیات کی بنا پر یہ افسانہ مابعد الطبیعیاتی عناصر کا حامل سمجھا جاتا ہے۔

'قصہ نل دمینتی' اشفاق احمد کے نمائندہ افسانوں میں سے ہے۔ افسانے کا عنوان اس قدیم ایشیائی تہذیب کے اسطورہ کی جانب اشارہ کرتا ہے جو مہا بھارت کے تیسرے حصے 'بن پرب' میں نل اور دمینتی کے قصے کی صورت میں موجود ہے۔ اس میں راج ہنس نل کا پیام الفت دمینتی کی طرف لے جاتا ہے۔ اشفاق احمد کے افسانے ''قصہ نل دمینتی'' میں بھی قصہ کی بنیاد اسی قدیم اسطورہ کو بنایا گیا ہے اور اسے موجودہ عہد کے تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ شائستہ اور سہیل اس افسانے میں مرکزی کردار ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے۔ شائستہ کا حسن دمینتی کے حسن سے مماثل تھا۔

اشفاق احمد نے افسانے کا آغاز شائستہ کے حسن کے بیان سے کیا ہے جب کہ 'نل دمینتی'

کی اسطورہ میں دمیتی کے حسن کا نقشہ مکیری نے ان الفاظ میں کھینچا ہے جس کا مفہوم یہ ہے:

''تمام نوجوان اور خوب صورت عورتوں نے راج ہنسوں کی طرف دیکھا اور ان کی باوقار... شکل و شباہت اور سنہری تاج کو پسند کیا اور پھر ان کو درختوں کے جھنڈ میں اوجھل ہوتے دیکھا۔ پھر اچانک ایک راج ہنس جس کا پیچھا دمیتی کر رہی تھی نے اس سے انسانی زبان میں کہا۔ دمیتی سنو، نیک بادشاہ نل نشدھا میں رہتا ہے۔ وہ اس قدر رزم خو ہے جیسا کوئی دیوتا ہو، نہ ہی اس کا کوئی نعم البدل دنیا میں موجود ہے۔ اگر تو عورتوں میں سچے موتی کی مانند ہے تو وہ مردوں میں اولین ہے۔ اگر تم اس سے شادی کر لو تو حسن اور نیکی ... یک جا ہو جائیں گے۔ ایک کا دوسرے کے ساتھ ملاپ کسی نعمت سے کم نہ ہوگا''۔(۱۲)

'نل دمیتی' کی قدیم اسطورہ میں ایک راج ہنس، نل کا پیام الفت دمیتی تک لے کر جاتا ہے۔ مگر اشفاق احمد کے افسانے 'قصہ نل دمیتی' میں راج ہنس کا ذکر نہیں بلکہ ایک اور امیر نوجوان ہے جس کے ساتھ شائستہ کی شادی اس کے والدین نے طے کر دی تھی مگر شائستہ تو سہیل کے عشق میں گرفتار تھی کیونکہ سہیل ایک دلکش اور خوبرو جوان تھا۔ اشفاق احمد سہیل کی وجاہت اس طرح بیان کرتے ہیں: ''سہیل بہت پڑھا لکھا، خوش گفتار اور ذہین نوجوان تھا اور چونکہ اس کا ذخیرہ الفاظ وسیع تھا اس لیے شائستہ اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی''۔(۱۳) جب کہ ابن حنیف 'نل' کے خوبرو ہونے کا احوال اس طرح لکھتے ہیں:

> ''اے دمیتی! نل نشدھاؤں کا راجہ ہے، وہ اشون (شہ سوار) کی طرح شکیل ہے اور انسانوں میں اس کا کوئی ہم سر نہیں، وہ مجسم کندرپ کی طرح جمیل ہے، اے خوش رنگ (دمیتی) اے پتلی کمر والی اگر تو اس کی بیوی بن جائے تو تیرے وجود اور تیری سندرتا کا مقصد پورا ہو جائے''۔(۱۴)

اس افسانے میں اشفاق احمد موجودہ عہد کی 'محبت' کے متعلق حقائق پر روشنی ڈالتے ہیں کہ موجودہ عہد کی محبت، مہابھارت میں بیان کردہ نل دمیتی کی محبت سے کس قدر مختلف ہے۔ اشفاق احمد نے قدیم تہذیبی اسطورہ کے استعمال سے افسانے کو مابعد الطبیعیاتی رنگ دیا ہے۔

اشفاق احمد کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی عناصر کا مجموعی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ متصوفانہ موضوعات کا ان کے افسانوں میں در آنا ان کے فطری میلان طبع کی بدولت ہے۔باطنی و رومانی کیفیات، امور روحانیہ، کشف و کرامات کا بیان، متصوفانہ واردا تیں، مراقبے اور وظائف، استغراق و وجد کی کیفیات، مکاشفے، زندگی کا صوفیانہ نظریہ ان کے افسانوں میں مابعد الطبیعیاتی عناصر کی صورت اختیار کرتی نظر آتی ہیں۔ اشفاق احمد کے افسانوں کا موضوع خاص محبت رہا ہے مگر وہ محبت کے افلاطونی نظریے کے قائل نظر آتے ہیں۔ان کے افسانوں کے سوتے روحانیت سے پھوٹتے ہیں۔تصوف اور رومانویت کی جانب مراجعت اشفاق احمد کے افسانوں کا وصف خاص ہے۔اس کے علاوہ سادھو، مہاراج، پیر و مرشد، بزرگ وغیرہ بھی ان کے افسانوں میں اکثر دکھائی دیتے ہیں۔درباروں، مزاروں، خانقاہوں پر جا کر ریاضتوں، چلہ کشیوں، مراقبوں اور مجاہدوں کا ذکر ان کے افسانوں میں ملتا ہے۔سچے صوفی، ولی، گیانی یا ایک برگزیدہ ہستی کی تلاش انہیں سرگرداں رکھتی ہے۔اشفاق احمد اپنے افسانوں کا تار و پود زندگی کی روحانی، رومانی اور جذباتی وابستگیوں سے تیار کرتے ہیں۔معصومیت، نیکی اور حسن کی تلاش ان کے افسانوں میں جابجا دکھائی دیتی ہے۔

المختصر اشفاق احمد ایک صوفیانہ مزاج کے افسانہ نگار ہیں۔وہ اپنے افسانوں کو معنی کی گہری تہوں میں اتار کر کہانی کی بنت کرتے ہیں۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری انہیں ایک اہم افسانہ نگار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں: ”ان کا بنیادی اور نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ کہانی سنانے کے فن سے واقف ہیں اور اردو کے ممتاز افسانہ نگار ہیں۔“(۱۵) اشفاق احمد کا متصوفانہ رویہ ان کے افسانوں میں کئی مابعد الطبیعیاتی جہات پیدا کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) جمیل احمد عدیل، سیاق و سباق، عمیر پبلشرز، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص۱۲۲

(۲) مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر، اردو افسانے کی روایت، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص۹۰

(۳) انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۸۵ء، ص۲۰۲

(۴) انور سدید، ڈاکٹر، مختصر اردو افسانہ عہد بہ عہد، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۲ء، ص۵۲

(۵) انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، بیکن بکس گلگشت کالونی، ملتان، ۱۹۹۸ء، ص۴۸۲

(۶) اشفاق احمد، سفر در سفر، غالب پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص۱۱۵

(۷) اشفاق احمد، گڈریا، مشمولہ، گڈریا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص۱۲

(۸) اشفاق احمد، بیا جاناں، مشمولہ: سفر مینا، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص۱۹۸، ۱۹۷

(۹) انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ تحقیق و تنقید، ص۴۲

(۱۰) اشفاق احمد، حقیقت نیوش، مشمولہ: گڈریا، ص۸۱، ۸۰

(۱۱) نیاز فتح پوری، بحوالہ محمد حسن، ڈاکٹر، اردو افسانے کا ارتقاء، مشمولہ: نگار، پاکستان، اصناف ادب نمبر، سالنامہ، جولائی اگست، ۱۹۶۵ء، کراچی، ص۴۴

(۱۲)Mackenzie, Donald, A; India, London, Greshan Publishing Co,1994, p330

(۱۳) اشفاق احمد، قصہ نل دمینتی، مشمولہ: سفر مینا، ص۱۲۲

(۱۴) ابن حنیف، بھولی بسری کہانیاں، بھارت، بیکن بکس گلگشت، ملتان، ۱۹۹۰ء، ص۵۷۲

(۱۵) فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو افسانہ اور افسانہ نگار، اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۸۲ء، ص۲۷۷